مولانا عبدالرحمٰن کیلانی

قسط (۲) آخری

عِلم ہیئت کا ارتقاء اور اسلام

چوتھا یا موجودہ دور، حرکتِ زمین اور سکونِ شمس کا نظریہ:

یہ نظریۂ ہیئت اپنے تمام معتقدات سمیت تقریباً ۱۸۰۰ سال تک دنیا بھر میں مشہور و مقبول رہا۔ بالآخر یورپ کے ایک ہیئت دان کوپرنیکس نے سولھویں صدی عیسوی کے آغاز میں یہ آواز بلند کی کہ موجودہ نظامِ ہیئت میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ اس کے برعکس کوپرنیکس نے زمین کی محوری گردش اور سورج کے گرد سالانہ گردش کا نظریہ پیش کیا اور واضح طور پر اعلان کیا کہ سورج متحرک نہیں بلکہ ساکن ہے۔ لیکن کوپرنیکس کے بعد ایک دوسرے ہیئت دان ٹیکو براہی نے کوپرنیکس کے نظریہ کو ردّ کر دیا اور تھوڑی سی ترمیم کے بعد اسی پہلے نظریہ بطلیموس کو صحیح قرار دیا جس میں زمین کو ساکن قرار دیا گیا ہے اور سورج اور دوسرے تمام سیارے اس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔

بعد ازاں اٹلی کے ایک ہیئت دان گیلیلیو نے ایک دوسرے ہیئت دان (ہالینڈ) کی مدد سے کئی قسم کی دوربینیں تیار کیں۔ ان کی مدد سے جب اجرامِ فلکی کا مشاہدہ کیا تو کوپرنیکس کے نظریہ کو بہت درست پایا۔ سالہاسال کی محنت کے بعد اس نے ۱۶۱۴ء میں یہ دریافت کیا کہ مشتری کے گرد بھی کئی چاند چکر لگا رہے ہیں۔ نیز یہ کہ فی الواقع ہماری زمین سورج کے گرد حرکت کر رہی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی تحقیقات کو شائع کرایا تو پادریوں نے اسے مذہب کے خلاف مسائل قرار دے کر اسے سخت مجرم گردانا اور اسے جیل میں ڈال دیا گیا۔ جہاں سے ایک سال بعد اس کی رہائی ہوئی۔

۱۶۴۲ء میں سر آئزک نیوٹن (انگلینڈ) نے کششِ ثقل یا زمین کی کششِ مرکزی کو تحقیقات کے ذریعہ درجۂ ثبوت پر پہنچایا۔ نیز یہ مشاہدہ کیا کہ دوسرے سیاروں میں بھی یہ کشش موجود ہے۔ اور اسی کشش کی بنا پر وہ گردش میں رہتے ہیں۔ مزید براں اس نے حرکت کے قوانین بھی مرتب کئے۔ ان تحقیقات کے باعث

علم ہیئت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ بعد کے ہیئت دانوں نے روشنی کی رفتار، اس کی مدد سے سیاروں کے فاصلے، سیاروں کے حجم، درجۂ حرارت، اس کی کشش ثقل، ان کی گردش محوری اور دوری کی مدت نیز مزید کئی قسم کے سیارے اور سیارچے دریافت کر لئے ہیں۔

کوپرنیکس کا نظریہ نظام شمسی دراصل فیثا غورث کے نظریہ کا چربہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ نظریہ موجودہ تحقیقات کی وجہ سے اس انتہا کو پہنچ گیا ہے جہاں اسے آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

موجودہ تحقیقات کی رُو سے سورج ساکن ہے جو صرف محوری گردش کرتا ہے۔ اس کے گرد سیارے گردش کر رہے ہیں جن میں تیسرے نمبر پر ہماری زمین ہے۔ اور اس کا سورج سے فاصلہ ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل ہے۔ آخری نواں سیارہ پلوٹو ہے جس کا سورج سے ۳ ارب ۶۸ کروڑ میل فاصلہ ہے۔ جسامت کے لحاظ سے بھی ہماری زمین دوسرے سیاروں کی نسبت بالکل حقیر ہے۔

اس نظام شمسی میں سورج ایک ستارہ یا ثابت ہے۔ کائنات میں ایسے ہزاروں ستارے یا ثوابت مشاہدہ کئے جا چکے ہیں اور یہ ستارے یا سورج جسامت کے لحاظ سے ہمارے سورج سے بہت بڑے ہیں۔ ہمارے نظام شمسی سے بہت دور تقریباً ۴۰۰۰۰ کھرب کلومیٹر کے فاصلے پر ایک سورج موجود ہے جو ہمیں محض روشنی کا ایک چھوٹا سا نقطہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کا نام الف قنطورس (ALFA CENTAURI) ہے۔ ایسے ہی دوسرے سورج اس سے بھی زیادہ دور ہیں اور خلا میں ہر طرف ایک دوسرے سے الگ الگ بکھرے پڑے ہیں۔ رات کے وقت وہ آسمان پر روشنی کے ننھے منے نقطوں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ یہ سب ستارے دراصل بہت بڑے اجسام ہیں اور ہمارے سورج کی طرح یہ بھی خود روشن ہیں۔

جسامت کے لحاظ سے سیاروں اور ستاروں کو ۴ قسموں میں تبدیل کیا گیا ہے۔ پہلی قسم کو سفید بونے کہا جاتا ہے۔ انکی اوسط جسامت مشتری کے برابر سمجھی گئی ہے۔ اور مشتری کی جسامت نظام شمسی کے باقی ۸ سیاروں (جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے) کے برابر ہے۔ ہمارا سورج دوسری قسم میں آتا ہے۔ اور سورج کی جسامت زمین سے ۳ لاکھ ۳۰ ہزار گنا زیادہ ہے۔ گویا ہمارا اتنا بڑا سورج بھی بڑے ستاروں میں شامل نہیں ہے۔ تیسرے قسم کے ستاروں کو دیو (GAINTS) اور چوتھی قسم کے ستاروں کو شاہ دیو (SUPER GAINTS) کہا جاتا ہے۔ ایسے ستاروں کے مقابلہ میں ہمارا سورج ایسے ہی ہے جیسے سورج کے مقابلہ میں ہماری زمین۔ ایسے ہی ایک ستارے کا نام قلب عقرب (ANTARES) ہے۔ اگر اسے اٹھا کر نظام شمسی میں رکھا جائے تو سورج سے سیارہ مریخ تک تمام علاقہ اس میں پوری طرح سما جائیگا۔ جبکہ مریخ کا سورج سے فاصلہ ۱۴ کروڑ ۱۵ لاکھ میل ہے۔ گویا قلب عقرب کا قطر ۲۸ کروڑ ۳۰ لاکھ میل کے لگ بھگ ہے

مزید براں کائنات میں لاتعداد مجمع النجوم اور کہکشائیں، ہیئت دانوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال کر ان کے علم کو ہر آن چیلنج کر رہی ہیں۔ جب انسان کائنات کی وسعت اور اس کی اتھاہ پہنائیوں میں مستغرق ہو جاتا ہے تو بلا اختیار قرآن کے یہ الفاظ زبان پر آجاتے ہیں۔

"قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا" (الکہف : ۱۰۹)

"آپ فرما دیجئے کہ اگر ساتوں سمندر اور اتنے سمندر اور بھی میرے رب کے کلمات لکھنے کیلئے سیاہی کا کام دیں تو یہ سب سمندر ختم ہو سکتے ہیں مگر یہ کلمات ختم نہ ہوں گے"

اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جوں جوں ہیئت دان مزید طاقتور اور جدید قسم کی دوربینیں استعمال کر رہے ہیں، توں توں اس بات کا بھی انکشاف ہو رہا ہے کہ کائنات میں ہر آن مزید وسعت پیدا ہو رہی ہے سیاروں کے درمیانی فاصلے بھی بڑھ رہے ہیں اور نئے نئے اجرام مشاہدہ میں آرہے ہیں،

بقول باری تعالیٰ:

"وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ" (الذاریات : ۴۷)

"ہم نے آسمان کو قوت و قدرت سے پیدا کیا اور ہم اس میں ہر آن توسیع کر رہے ہیں"

علم ہیئت اور اسلام

علم ہیئت کا مطالعہ:

جوں جوں انسان کائنات اور اجرام فلکی کا مشاہدہ کرتا ہے، خدا کی قدرت و عظمت اور جلال اس کے دل پر نقش ہوتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائناتی مطالعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات میں شمار کیا ہے۔ فرمایا:

"سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ" (حٰمٓ السجدۃ : ۵۳)

کہ "عنقریب ہم انہیں کائنات (اطرافِ عالم) میں اور خود ان کی ذات میں ایسی نشانیاں دکھلائیں گے یہانتک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ خدا کی ذات برحق ہے"

اسی مضمون کو ایک دوسرے مقام پر، دوسرے انداز میں بیان فرمایا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی حیرت خیزیوں کی طرف توجہ دلائی ہے:

"اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" (فاطر : ۲۸)

"خدا تعالیٰ سے ، اس کے بندوں میں سے ، وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں !"

یہاں ہم ایک اہم واقعہ درج کرتے ہیں جس کے راوی علامہ عنایت اللہ مشرقی ہیں - یہ واقعہ ان دنوں سے متعلق ہے جب وہ انگلستان میں زیر تعلیم تھے -

۱۹۰۹ء کا ذکر ہے ، اتوار کا دن تھا اور زور کی بارش ہو رہی تھی - میں کسی کام سے باہر نکلا تو جامعہ کیمبرج کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمس جینس (JAMES JEANS) بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے - میں نے قریب ہو کر سلام کیا تو وہ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے "کیا چاہتے ہو ؟" میں نے کہا " دو باتیں - اول یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھاتہ بغل میں داب رکھا ہے - سر جیمز اپنی بدحواسی پر مسکرائے اور چھاتا تان لیا - دوم یہ کہ آپ جیسا شہرہ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کیلئے جا رہا ہے ؟ میرے اس سوال پر پروفیسر جیمز لمحہ بھر کیلئے رک گئے اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا ، "آج شام میرے ساتھ چائے پیو !"

چنانچہ میں شام کو ان کی رہائش گاہ پر پہنچا - ٹھیک ۴ بجے لیڈی جیمز باہر آکر کہنے لگیں "سر جیمز تمہارے منتظر ہیں" اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی - پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے - کہنے لگے ، "تمہارا سوال کیا تھا ؟" اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اجرام آسمانی کی تخلیق ، ان کے حیرت انگیز نظام ، بے انتہا پہنائیوں اور فاصلوں ، انکی پیچیدہ راہوں اور مداروں نیز باہمی روابط اور طوفان ہائے نور پر وہ ایمان افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی اس کبریائی و جبروت پر دہلنے لگا - اور ان کی اپنی یہ کیفیت تھی کہ سر کے بال سیدھے اٹھے ہوئے تھے ، آنکھوں سے حیرت و خشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں ، اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے اور آواز لرز رہی تھی - فرمانے لگے ، "عنایت اللہ خاں ، جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے اور جب میں کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں ، "تو بہت بڑا ہے" تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہم نوا بن جاتا ہے ، مجھے بیحد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے - مجھے دوسروں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے - کہو عنایت اللہ خاں ! تمہاری سمجھ میں آیا کہ میں کیوں گرجے جاتا ہوں ؟"

علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جینز کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کہرام پیدا کر دیا۔ میں نے کہا، "جناب والا! میں آپ کی روح پرور تفصیلات سے بیحد متاثر ہوا ہوں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی ایک آیت یاد آگئی ہے، اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟" فرمایا "ضرور!" چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی:

"وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" (فاطر: ۲۸)

یہ آیت سنتے ہی پروفیسر جینز بولے:

"کیا کہا؟ اللہ سے صرف اہلِ علم ڈرتے ہیں؟ حیرت انگیز، بہت عجیب۔ یہ بات جو مجھے پچاس برس مسلسل مطالعہ اور مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی، محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو کس نے بتائی؟ کیا قرآن (مجید) میں واقعی یہ آیت موجود ہے؟ اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ان پڑھ تھے، انہیں یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہ ہو سکتی تھی، یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں بتائی تھی۔ بہت خوب، بہت عجیب!" (بحوالہ علم جدید کا چیلنج مؤلفہ وحید الدین خاں صفحہ ۲۱۵-۲۱۶)

سر آئزک نیوٹن جو کششِ ثقل و قوتِ جاذبہ (GRAVITY) اور قوانینِ حرکت کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے، نے کائنات کے وسیع مطالعہ کے بعد اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"کواکب کی حرکاتِ حالیہ ممکن نہیں کہ محض عام قوتِ جاذبہ کا نتیجہ ہوں۔ یہ قوتِ جاذبہ تو کواکب کو شمس کی طرف دھکیلتی ہے۔ اس لئے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضروری ہے کوئی خدائی ہاتھ ہو جو باوجود قوتِ جاذبہ کی کشش کے ان کو اپنے مدارات پر قائم رکھ سکے۔ کوئی سبب طبیعی ایسا نہیں بتلایا جا سکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ بند کر دیا ہے کہ وہ سب سورج کے گرد چکر لگاتے وقت ہمیشہ معین مدارات پر اور ایک خاص جہت ہی میں حرکت کریں جس میں کبھی تخلف نہ ہو۔ پھر کواکب کی حرکات اور درجاتِ سرعت میں ان کی اور سورج کی درمیانی مسافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو دقیق تناسب اور عمیق توازن قائم رکھا گیا ہے، کوئی سبب طبیعی نہیں جس سے ہم ان منظم و محفوظ نوامیس کو وابستہ کر سکیں۔ ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا نظام کسی ایسے زبردست حکیم و علیم کے ماتحت ہے جو ان تمام اجرامِ سماویہ کے مواد اور ان کی ماہیت سے پورا پورا واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس مادہ کی کس قدر مقدار سے کتنی قوتِ جاذبہ صادر ہوگی۔ اس نے اپنے زبردست اندازہ سے کواکب اور شمس کے درمیان مختلف مسافتیں اور

حرکت کے مختلف مدارج مقرر کیے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے تصادم یا تزاحم نہ ہو اور سارا عالم ٹکرا کر تباہ نہ ہو جائے۔" (تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی حاشیہ آیت ۷:۵)

قرآنِ کریم نے تخلیقِ کائنات کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے، فرمایا:

"اَوَلَمْ یَنْظُرُوا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ" (الاعراف: ۱۸۵)

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ان اجرامِ فلکی یا دوسرے نشانات سے ہدایت کی طرف رہنمائی اسی شخص کو حاصل ہوتی ہے اور خدا کی قدرت وعظمت کا سکہ اس شخص کے دل پر بیٹھتا ہے جس کا دل سلیم ہو۔ لیکن جب انسان ہٹ دھرمی پر اتر آئے اور ہر آیتِ خداوندی کی دوسری وجوہ تلاش کرنے پر کمربستہ ہو تو اسے کوئی بھی چیز ہدایت کی طرف لانے پر مجبور نہیں کر سکتی۔

سیاروں کی خدائی:

اسلام نے انسان کو تمام کائنات سے اشرف تسلیم کیا ہے لہٰذا وہ ستاروں کی خدائی یا دیوتائی کو قطعاً تسلیم نہیں کرتا بلکہ کائنات کی ہر چیز اجرامِ فلکی سمیت سب کو انسان کا خادم قرار دیتا ہے۔ معبود یا خدا فقط ایک اللہ کی ذات ہے جس نے ان سب چیزوں کو وجود بخشا ہے۔ لہٰذا اگر کسی دوسرے کی خدائی کا تصور ہوتا تو چاند اور سورج اور دوسرے اجرام کا انسان معبود قرار دیا جا سکتا تھا، چہ جائیکہ یہ اجرام انسان کے دیوتا بنیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ" (لقمان: ۲۰)

"کیا تم دیکھتے نہیں کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کو خدا تعالیٰ نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے!"

دوسری جگہ فرمایا:

"وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ" (ابراہیم: ۳۳)

"اور اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو تمہاری خدمت پر مامور کر دیا ہے جو ایک دستور پر چل رہے ہیں۔ اسی طرح رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا ہے!"

بھلا ایسے واضح ارشادات کے بعد سیاروں اور ستاروں کی خدائی کا تصور باقی رہ سکتا ہے؟ جو ہماری خدمت پر مامور ہیں۔ ہم علم کے ذریعہ ان سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کر سکتے ہیں، چاند کے علاوہ دوسرے بعید ترین سیاروں کو اپنی سیرگاہ بھی بنا سکتے ہیں۔ بقول اقبال ؎

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفٰے سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

سیاروں کے اثرات تسلیم کرنا واضح شرک ہے :

انسان نے پہلے سیاروں کو معبود تسلیم کیا اور انسانی زندگی پر، زمین اور اہلِ زمین پر ان کے اثرات کی بلند عمارت کھڑی کر کے انسان کے عقائد میں شامل کر دیا۔ علم نجوم اور علم جوتش کی تخلیق کی۔ اسلام نے ان اثرات کے تسلیم کرنے کو جرمِ عظیم یعنی اپنی خدائی میں شریک بنانے کے مترادف قرار دیا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے عقائد عام تھے۔ ہر اچھی اور بری بات کو سیاروں کی گردش سے منسوب کیا جاتا تھا۔ ایک رات بارش ہوئی جو عرب جیسے بے آب وگیاہ ملک میں ایک عظیم نعمت متصور ہوتی تھی تو صبح آپ نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

"وَاَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ بِیْ وَکَافِرٌ بِالْکَوَاکِبِ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰہِ وَرَحْمَتِہٖ فَذٰلِکَ مُؤْمِنٌ بِیْ وَکَافِرٌ بِالْکَوَاکِبِ وَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ کَذَا وَکَذَا فَذٰلِکَ کَافِرٌ بِیْ وَمُؤْمِنٌ بِالْکَوَاکِبِ" (بخاری، مسلم)

"میرے بندوں میں سے کچھ لوگ مجھ پر ایمان لائے اور سیاروں کے منکر ہوئے۔ یعنی جس شخص نے کہا کہ یہ بارش اللہ کے فضل اور رحمت سے ہوئی تو وہ مجھ پر ایمان لایا اور سیاروں کا منکر ہوا اور جس نے کہا کہ یہ بارش فلاں فلاں سیارے کے فلاں فلاں برج میں داخل ہونے سے ہوئی تو وہ میرا منکر ہوا اور سیاروں پر ایمان لایا"

گویا ستاروں کے اثرات کو تسلیم کرنا اور خدا پر ایمان لانا دو متضاد چیزیں ہیں۔ ان میں سے صرف ایک چیز ہی قبول کی جا سکتی ہے۔ جو سیاروں کے اثرات کو تسلیم کرتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ اور جو مسلمان ہے وہ ان اثرات کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

اسلام نے ایسے اعتقادات کی سخت مذمت کی ہے۔ جدید نظریہ ہیئت نے بھی ایسے معتقدات کی حوصلہ شکنی کی ہے لیکن افسوس کہ آج بھی مسلمانوں میں ایسے نجومی اور جوتشی موجود ہیں جو اس قسم کی جنتریاں مرتب کرتے ہیں۔ کچھ لوگ سڑکوں پر دکانیں سجائے بیٹھے ہیں جہاں سے ضعیف الاعتقاد لوگ ان کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ ساتھ ہی جنتری کا یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ "علمِ غیب تو اللہ ہی کو ہے" یا "مالکِ حقیقی بہتر جانتا ہے۔ غالباً ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ فقرہ کہہ لینے کے بعد اس گناہِ عظیم کا کفارہ ادا ہو گیا۔

یہاں میں اپنا ایک ذاتی واقعہ پیش کر رہا ہوں جو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پچھلے دنوں مجھے ایک کاروباری جوتشی سے ملاقات اور تبادلۂ خیالات کا اتفاق ہوا۔ جو اتفاق سے "مولوی" تھا اور دین کی سوجھ بوجھ بھی رکھتا تھا۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ آیا اسلام میں تمہارے اس علم کی گنجائش ہے، جس کے ذریعہ تم لوگوں کو سعد و نحس کے چکر میں ڈال کر پہلے انہیں ڈراتے ہو پھر سیارگان کی نحوست کو زائل کرنے والی خود ساختہ انگوٹھیاں بیچ کر پیسے بٹورتے ہو؟

اس سوال کے جواب میں اس نے حضرت ابراہیمؑ کے درج ذیل قول سے استدلال پیش کیا:

"فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ" (الصّٰفّٰت: ۸۸)

"سو ابراہیم علیہ السلام نے سیاروں میں نظر کی اور کہنے لگے، میں تو بیمار ہونے والا ہوں"

میں اس کی اس ڈھٹائی پر سخت متعجب ہوا۔ اور کہا کہ ایسے تجاہلِ عارفانہ سے کام نہ لیجئے۔ یہ تو "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" والا معاملہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو میلے میں شرکت سے بچنے کیلئے صرف یہی ایک ایسی ترکیب سوجھی تھی جس پر ان کی قوم مطمئن ہو سکتی تھی۔ ورنہ جو سلوک ان سیاروں کے دیوتاؤں کے ساتھ آپ نے کیا وہ آپ کو بھی معلوم ہے۔ اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیونکہ بچپن ہی میں سیاروں، چاند اور سورج کی دیوتائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے متعدد بار کسی دوسرے کیلئے علمِ غیب کی نفی فرمائی ہے اور کئی مقامات پر "لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا هُوَ"، کہہ کر غیب کی خبریں بتانے والے سب علوم کو باطل قرار دیا ہے۔ اور دلیل یہ دی ہے کہ جو شخص غیب جانتا ہو اسے تلاشِ معاش کیلئے در در کی ٹھوکریں کھانے اور محنت و مشقت کی کیا ضرورت ہے؛ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ اعلان کر دیجئے:

"وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ" (اعراف: ۱۸۸)

"اے نبی، آپ فرما دیجئے کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سا مال و دولت اکٹھا کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی گزند نہ پہنچتا"

گویا علمِ غیب کے دو فائدے بتلائے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ حصولِ رزق کیلئے محنت و مشقت کی ضرورت نہیں رہتی۔ دوسرا یہ کہ ایسے شخص کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی اس کا تدارک سوچ لیتا ہے ان وجوہ کی بنا پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو خود بھی اپنے علم پر یقین نہیں ہے۔ ورنہ آپ اپنی کسی "نیک ساعت" میں اتنی دولت اکٹھی کر سکتے ہیں کہ آپ کو فٹ پاتھ پر بیٹھ کر یہ انگوٹھیاں اور تعویذ بیچنے کی زحمت سے نجات مل جائے۔

اس بات کا جواب دینے کی بجائے اس نے اس علم کو صحیح ثابت کرنے کیلئے چند واقعات پیش کئے۔ میں نے عرض کی کہ کسی چیز کا اثر ثابت ہونا الگ بات ہے اور اس کا جائز ہونا چیزے دگر ہے۔ جادو یا دیگر شیطانی تصرفات سے کون انکار کر سکتا ہے؟ لیکن ان کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اسی طرح جفر، رمل یا دیگر ایسے علوم جن سے آئندہ کی خبریں بہم پہنچائی جاتی ہیں، فرضی ڈھکوسلے ہیں۔ جو کبھی صحیح ہو جاتے ہیں اور کبھی غلط۔ یہ علوم ناجائز تو ہیں ہی، ان کے غیر مفید ہونے کی بھی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر فی الواقع ان کا فائدہ ہے تو ان علوم کے جاننے والے پہلے خود کیوں مستفید نہیں ہوتے؟

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ بیمار ہو گیا تو اس نے ایک نجومی کو بلا کر اپنی مرض اور صحت کے بارے میں سوال کیا۔ نجومی نے زائچہ تیار کر کے حساب لگایا اور بادشاہ کو بتلایا کہ کل تمہاری موت واقع ہو جائے گی۔ بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزری مگر اس نے اپنے چہرے پر اس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہونے دیا۔ پھر اس نے اس نجومی سے کہا کہ اب اپنا زائچہ تیار کر کے بتلاؤ کہ تمہاری کتنی عمر باقی ہے؟ اس نے زائچہ تیار کیا اور بتلایا کہ ابھی میں ۱۰ سال تک زندہ رہوں گا۔ بادشاہ نے اسی وقت جلاد کو حکم دیا کہ اس نجومی کی گردن اڑا دی جائے۔ بادشاہ کے حکم کی فوری تعمیل کی گئی اور وہ نجومی اسی روز راہیٔ ملک عدم ہوا جبکہ بادشاہ صحت یاب ہو گیا۔ بادشاہ کے اس اقدام سے سیاروں کی گردش میں بھی کچھ فرق نہ آیا اور نہ ہی سیارے اس کا کچھ بگاڑ سکے۔

علمِ ہیئت کی حقیقت!

علمِ ہیئت ایک ایسا علم ہے جو مشاہدات سے حاصل ہوتا ہے۔ مشاہدہ سے حاصل شدہ نتائج کو مفروضہ کا درجہ دیا جاتا ہے۔ پھر اس مفروضہ کی مزید مشاہدات اور تجربات سے جانچ پڑتال کی جاتی ہے تو یہ حاصل شدہ نتائج، نظریہ (THEORY) کے درجہ میں داخل ہوتے ہیں۔ بعد ازاں جب ایک نظریہ کی دائمی طور پر تصدیق ہو جائے تو یہ نظریہ یقینی علم (LAW) بن جاتا ہے۔ علمِ ہیئت نظریہ کے مراحل میں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سابقہ مختلف ادوار میں کبھی تو زمین کو متحرک اور سورج کو ساکن قرار دیا جاتا رہا ہے اور کبھی سورج کو متحرک اور زمین کو ساکن تسلیم کیا گیا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ انسان کی بیماری اور اس کے علاج کا یونانی نظریہ طب، ایلوپیتھک طریق علاج اور نظریہ سے بالکل مختلف ہے۔ دونوں نظریات کی بنیاد، تشخیص مرض، طریق علاج، ایک ایک چیز میں فرق ہے۔ لیکن دونوں اپنے اپنے میدان میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ بعض وجوہات کی بنا پر کبھی ایک نظریہ قبولیتِ عام کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور کبھی دوسرا سامنے آجاتا ہے۔

یہی صورتِ حال علمِ ہیئت کی ہے۔ علمِ ہیئت میں سورج گرہن اور چاند گرہن کے وقت کے

تعین کا مسئلہ ذرا پیچیدہ سا ہے۔ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ آیا زمین حرکت کر رہی ہے یا سورج؟ چاند کی حرکت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہٰذا دونوں نظریات کے مطابق ایک قمری ماہ میں چاند، سورج اور زمین دو بار ایک سیدھ میں آجاتے ہیں۔ یہ دلیعنی چودھویں کو سورج اور چاند کے درمیان زمین آجاتی ہے۔ لہٰذا چاند گرہن جب بھی ہوگا چودھویں کو ہوگا۔ اسی ۲۸ تا ۲۹ قمری تاریخ کو سورج اور زمین کے درمیان چاند آجاتا ہے۔ لہٰذا سورج گرہن انہی تاریخوں میں لگ سکتا ہے۔ لیکن ہر ماہ یہ واقعہ اس لئے پیش نہیں آتا کہ زمین اور چاند یا سورج اور چاند کی اپنے اپنے مدار پر حرکت مستوی نہیں ہے بلکہ ۵° درجے کا جھکاؤ ہے۔ لہٰذا یہ اجرام بسا اوقات بچ بچا کر نکل جاتے ہیں اور سورج یا چاند گرہن کا موقع کبھی کبھار ہی آتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح موجودہ نظریہ ہیئت کا عالم سورج گرہن اور چاند گرہن کا بالکل صحیح حساب پیش کرتا ہے۔ عین اسی طرح وہ نجومی بھی سورج گرہن اور چاند گرہن کا منٹ اور سیکنڈ تک صحیح حساب لگا کر کافی مدت پہلے اعلان کر دیتا ہے۔ تو عام مشاہدہ کی رو سے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ کسی ایک کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کر سکیں۔ دن رات کی تخلیق، موسموں کا تغیر و تبدل وغیرہ سب نتائج دونوں نظریات کے مطابق درست پائے جاتے ہیں۔

قرآن اور نظریہ ہیئت؛

قرآن کا اصل موضوع ہدایت ہے۔ لہٰذا کائنات میں غور و فکر کی بیشتر توجہ اس لئے دلاتا ہے کہ انسان کے دل پر خدا کی عظمت و قدرت کا نقش مرتب ہو۔ سورج حرکت کرتا ہے یا زمین! اس سلسلہ میں قرآن اپنے پہلے مخاطبین کی سمجھ اور عام مشاہدات انسانی کا لحاظ رکھے گا اور یہ ہم بتلا چکے ہیں کہ اس دور میں بطلیموسی نظریہ ہیئت ہی قبولیت عام کے درجے پر تھا۔

دوسری خصوصیت جو قرآن مجید کے الفاظ میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ نظریات کی تبدیلی کے باوجود اس کے الفاظ میں ایسی جامعیت پائی جاتی ہے کہ وہ ہر دور اور ہر زمانہ کا ساتھ دے سکتے ہیں اور یہی قرآن مجید کا اعجاز ہے۔ اب ہم انہی دو خوبیوں کے تحت قرآنی آیات کا مطالعہ کریں گے۔

۱۔ سورج کی حرکت کے متعلق ارشاد فرمایا:

"والشمس تجری لمستقر لها ذالك تقدیر العزیز العلیم"

"اور سورج اپنے جائے قرار پر چل رہا ہے۔ یہی غالب اور خوب جاننے والے کی قدرت کا کرشمہ ہے"

مشاہدہ، اول مخاطبین اور نظریہ بطلیموس پر یقین رکھنے والے تو اسے بالکل درست تسلیم کرتے ہیں۔ موجودہ نظریہ ہیئت کی رو سے بھی سورج اپنے محور کے گرد حرکت کر رہا ہے جو ۲۵ دن ۴ گھنٹے میں مکمل ہوتی ہے۔ اور یہ تو واضح ہے کہ "مستقر" کا معنی مدار کے بجائے جائے قرار زیادہ مناسب ہے، تاہم اس میں ہر دو معنی پائے جاتے ہیں۔

مزید برآں نظریہ فیثاغورث (جس کا موجودہ نظریہ ہیئت ایک تازہ چربہ ہے) میں یہ غالب امکان موجود ہے کہ عین ممکن ہے کہ ہمارا سورج اپنے نظام شمسی سمیت کسی دوسرے بڑے سورج کے گرد چکر کاٹ رہا ہو۔

۲۔ چاند کی منازل کے متعلق فرمایا:

"وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ" (یٰسٓ: ۳۹)

"اور چاند کیلئے ہم نے منزلیں تجویز کر دی ہیں تا آنکہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح (خمیدہ اور پتلا) ہو جاتا ہے"

آیت بالا کے الفاظ "منازل" سے چاند کے لئے ۲۸ منزلیں مقرر کرنے والے تو بہرحال مطمئن ہو ہی گئے ہوں گے۔ لیکن بہت سے علماء کے نزدیک یہاں منازل سے مراد ۲۸ متعینہ منزلیں نہیں بلکہ اشکال قمر ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آخر میں ہلال (نئے یا پہلی رات کے چاند) کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ آسمان کے بروج کے متعلق فرمایا:

"وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ" (الحجر: ۱۶)

"اور ہم نے آسمان میں برج بنائے اور اس آسمان کو دیکھنے والوں کیلئے سجا دیا"

ایک عام قاری اس آیت میں برج کے لفظ سے وہی برج مراد لیتا ہے جو اہل ہیئت نے فلک ہشتم پر بنا رکھے ہیں، تو اس کی مرضی ہے۔ ورنہ آیت کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا کیونکہ ان برجوں میں سے اکثر برجوں کی اشکال کا زینت سے دور کا واسطہ نہیں۔ بھلا سرطان، بچھو، ترازو اور ڈول وغیرہ کیا خوبصورتی پیدا کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء نے یہاں بروج سے ستارے اور سیارے مراد لئے ہیں جو رات کے وقت آسمان کو زینت بخشتے ہیں۔

برج کے لغوی معنی قلعہ اور محل کے آتے ہیں۔ یہ معنی بھی آیت مذکورہ میں استعمال ہو سکتے ہیں۔

نیز:

"وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ"۔ (برجوں والے آسمان کی قسم) میں یہی معنی لئے جا سکتے ہیں۔

اسی طرح اس آیت :

"اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ " (النساء : ۷۸)

"تم جہاں کہیں بھی ہو گے، موت تمہیں آ لیگی خواہ تم پلستر شدہ قلعوں میں ہو"۔ میں بھی برج کا معنیٰ قلعہ اور محل ہی ہو سکتا ہے، فلکِ ہشتم کے فرضی برج نہیں ہو سکتے۔

۴۔ سات آسمان :

سات آسمانوں کا ذکر قرآنِ کریم میں متعدد بار اور اس کے علاوہ احادیث میں آیا ہے۔ لہٰذا پہلے لفظ "سماء" کی تحقیق ضروری ہے۔

سماء کا لفظ بلندی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ بلندی یا راسی سمت میں فاصلہ یا دوری تھوڑی سی ہو تب بھی سماء ہے، زیادہ ہو تب بھی سماء (آسمان) ہے اور بہت ہی زیادہ ہو تب بھی سماء ہی ہے۔ مثلاً یہ ارشاد باری تعالیٰ :

"وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً " (البقرۃ)

"اور اس نے آسمان سے مینہ برسایا"

یہاں سماء سے مراد بادل ہیں۔ جو سطح زمین سے عموماً ایک ڈیڑھ میل کی بلندی پر اڑتے پھرتے ہیں اور اس معمولی سی بلندی کیلئے بھی سماء (آسمان) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

جبکہ اس آیت میں :

"اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَۃِ نِ الْکَوَاکِبِ " (الصّٰفّٰت : ۶)

کہ "بیشک ہم ہی نے آسمانِ دنیا کو سیاروں کی زینت سے مزین کیا"

اتنی زیادہ بلندی مراد ہے جتنی دوری پر کہ ستارے چمکتے ہیں۔ وہ خواہ لاکھوں میلوں پر مشتمل ہو یا کروڑہا اور ارب ہا میلوں پر۔ درج ذیل آیت میں سماء (آسمان) کا لفظ بہت ہی زیادہ بلندی، اتنی بلندی جو سات آسمانوں کی بلندی سے بھی زیادہ ہو یعنی لامحدود بلندی کیلئے استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ " (البقرۃ)

"پھر خدا تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں ٹھیک سات آسمان بنا دیا"

لفظ "سماء" کی طرح عربی لغت میں اور بھی کئی ایسے الفاظ ہیں جو مقدار میں کمی بیشی کے باوجود یکساں طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ انہی میں ایک لفظ یوم ہے جس کا ترجمہ "دن" کیا جاتا ہے۔ زمین پر یہ دن

۲۴ گھنٹے کا ہے۔ چاند پر تقریباً ایک ماہ کا دن ہے۔ عطارد (MERCURY) پر یہ دن ہمارے ۸۸ دنوں کے برابر ہے۔ قطب شمالی اور جنوبی پر تقریباً ایک سال کا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس یوم الحساب ۵۰ ہزار برس (ہمارے موجودہ حساب سے) کا ہوگا اور اس کے لئے بھی یوم کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے۔

موجودہ ہیئت دان کسی آسمان کے قائل نہیں ہیں۔ ہم ان سے بصد احترام گزارش کریں گے کہ ان کی تمام تر تحقیقات کی رسائی ابھی پہلے آسمان یا آسمانِ دنیا تک بھی نہیں ہوسکی تو پھر وہ اس کی تردید کیونکر کرسکتے ہیں؟ ان کی تحقیق خواہ کتنی طاقتور اور جدید قسم کی دوربینوں سے ہو خواہ وہ پلوٹو کی دوری ہو یا الف قنطورس کی یا قلبِ عقرب کی۔ یہ سب کچھ آسمانِ دنیا کی زینت بنے گا اور جو کچھ ابھی مزید تحقیق کے دائرہ میں آئیگا، وہ بھی آسمانِ دنیا تک ہی محدود رہے گا۔ مندرجہ ذیل دونوں آیات اسی دعویٰ کی تائید کر رہی ہیں:

۱۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ (الحجر: ۱۶)

۲۔ إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ (الصّٰفّٰت: ۶)

باقی چھ آسمان اس آسمانِ دنیا سے ماورا ہیں۔ اور ان تک دسترس انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ ان تک رسائی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا کی قدرتِ کاملہ کی وجہ سے ہوئی اور وحی کے ذریعہ ہمیں سات آسمانوں کا علم حاصل ہوا ہے۔ آج کا ہیئت دان بھی جب کائنات کی وسعت کا خیال کرکے ورطۂ حیرت میں پھنس جاتا ہے تو دبی زبان سے اس کے منہ سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جن سے اس علمِ وحی کی تائید ہوتی

سماء کی صفت قرآنِ کریم میں بناء (چھت) اور سقفِ محفوظ (محفوظ چھت) بیان کی گئی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ آسمانِ دنیا کا کوئی ستارہ یا سیارہ زمین پر گر کر اسے تباہ و برباد نہیں کرسکتا۔

۵۔ فلک اور سماء:

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہماری زبان میں فلک اور سماء دونوں کا ترجمہ آسمان کردیا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں الفاظ کا مفہوم جدا جدا ہے۔ سماء کا مفہوم تو اوپر بیان ہو چکا۔ فلک سے مراد کسی بھی سیارہ کا وہ مدار ہے جس پر وہ گردش کر رہا ہے۔ بموجب قولِ باری تعالیٰ:

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یٰس:

"یہ ناممکن ہے کہ سورج چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات سے پہلے دن آسکتا ہے۔ تمام سیارے اپنے اپنے مدار پہ (خلا میں) تیر رہے ہیں"

اور نظریہ بطلیموس کے مؤیدین نے ہر جگہ فلک کا لفظ استعمال کیا ہے نہ کہ سماء کا!